Volume 01, Issue 01,
January-June 2023
PP: 16-28
Open Access on:
www.alimanjournal.com

AL-IMAN Research Journal
P-ISSN: 3006-1261 E-ISSN: 3006-127X

اُردو میں بچوں کا تمثیلی ادب اور نذیر انبالوی کا ناول "فاتح کون؟": ایک تحقیقی جائزہ

Children's Allegorical Literature in Urdu and Nazir Anbalvi's Novel "Fāteḥ Kon?": A Research Review

Muhammad Faisal Ali
PhD. Scholar, Department of Urdu Litreature, Federal Urdu University, Islamabad.
mbfsesearabic@gmail.com

Abstract & Indexing

Abstract

This study delves into the historical development and cultural significance of allegory in Urdu children's literature, tracing its roots and evolution through various literary movements. The analysis of Anbālvī's "Fāteḥ Kon?" serves as a central case study, showcasing the author's adept use of allegory to convey complex social, moral, and existential themes. By dissecting the narrative structure, character development, and symbolic elements within the novel, the paper illuminates how Anbālvī's storytelling techniques resonate with young readers, fostering critical thinking and ethical reflection. Furthermore, the paper examines the broader implications of allegorical literature in the cognitive and emotional development of children. It discusses the psychological impact of engaging with allegorical stories, including the enhancement of empathy, moral reasoning, and imaginative capacity. The role of such literature in shaping a child's identity and worldview is also considered, highlighting its potential to influence attitudes and behaviours in meaningful ways. The study calls for a renewed appreciation and incorporation of these literary works in contemporary educational practices, advocating for their role in nurturing informed, empathetic, and ethically grounded individuals. Through a detailed examination of Anbālvī's "Fāteḥ Kon?", the study reaffirms the importance of preserving and promoting allegorical narratives as vital components of a holistic literary education for young readers.

Keywords

Literature, Novel, Fāteḥ Kon?, Symbolic Elements, Moral.

Published by:

HIRA INSTITUTE of Social Sciences Research & Development

All Rights Reserved © 2023 This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

تمہید

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور اسے قوت گویائی بخشی۔ زبان کا استعمال کر کے اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرنا انسان کا وہ امتیاز ہے جو اسے دیگر جانداروں پہ فوقیت دلاتا ہے۔ جب سے انسان زمین پر آباد ہوا ہے تب سے زبان اور بول چال ہی باہمی رابطے کا ذریعہ ہیں کیوں کہ لکھنے کا دستور تو بہت بعد میں پڑا۔ انسانی بول چال کا بغور مشاہدہ کیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات ایک انسان کے کہے گئے یا بولے گئے فقرے دوسرے انسان پہ بہت زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں، انسان ان فقرات سے لطف اندوز ہو رہا ہوتا ہے اور اسے شادمانی کے احساسات نے گھیر رکھا ہوتا ہے جبکہ بعض اوقات ایسا نہیں ہوتا بلکہ بول چال میں دیا گیا پیغام صرف ابلاغ کا کام کرتا ہے اور بس۔ اسی طرح جب ہم پر جوش ہوں یا جذبات و احساسات کی وادیوں میں ہوں اور خوشی کی کیفیت میں ڈوبے ہوئے ہوں تو ہمارا انداز تکلم عام انداز سے مختلف ہوتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ مافی الضمیر کے اظہار کے دو انداز ہیں:

- سادہ اسلوب۔
- رنگ بھرا اسلوب۔

یہ دوسرا اسلوب "ادب" کہلاتا ہے۔ کیوں کہ اس اسلوب میں انسانی جذبات و احساسات کا عنصر زبان و بیان کو پر رونق بنا دیتا ہے، اس بات کی وضاحت کے لیے ڈاکٹر اطہر پرویز صاحب کی کتاب "ادب کسے کہتے ہیں" سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

> آپ شام کے وقت دریا کی سیر کو جائیں، چاند نکلا ہوا ہو تو چاند کا عکس ندی میں دیکھ کر آپ کیا کچھ محسوس نہیں کریں گے، اس بات کو اگر زبان سے ادا کیا جائے تو اس کے دو طریقے ہوں گے۔ پہلا طریقہ تو یہ ہو گا کہ آپ کہیں گے 'چاند کا عکس ندی میں پڑ رہا ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہو گا: تم ندی میں جا کر دیکھو جب ندی میں نہائے چاند'۔ اس وقت آپ دیکھیں گے کہ پہلا طریقہ اس کیفیت کو ادا کرنے میں کامیاب نہیں ہوا ہے، بلکہ اس میں ایک سچائی کو سیدھے سادے طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔ دوسرا طریقہ زیادہ بہتر ہے، کیوں کہ اس میں اس کیفیت کا اظہار ہے جو آپ کے دل پر گزر رہی ہے۔ [1]

ڈاکٹر اطہر پرویز نے بھی مافی الضمیر کے اظہار کے دو طریقوں کی نشاندہی کی ہے اور ان میں سے ایک طریقے کو دلی کیفیات کا آئینہ دار قرار دیا ہے۔ یہی طریقہ "ادب" کہلاتا ہے۔ اس طریقہ میں صرف اظہار نہیں ہوتا بلکہ اظہار کے ساتھ ساتھ جذبات و احساسات بھی شامل ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر اطہر پرویز ایک اور جگہ پر لکھتے ہیں:

> اس ادبی طریقے کی تعریف کرتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ طریقہ وہ ہے جس میں روزمرہ کے خیالات سے زیادہ بہتر خیالات اور روزمرہ کی زبان سے بہتر زبان کا استعمال ہوتا ہے۔ یہ طریقہ آج کا طریقہ ہی نہیں ہے بلکہ پرانے زمانے میں بھی جب لوگ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے، وہ ایک دوسرے سے جب اپنی بہادری کے کارنامے بیان کرتے ہوں گے، کہانیاں کہتے ہوں گے، پریوں کی داستانیں بیان کرتے ہوں گے، اپنی محبت کا اظہار کرتے ہوں گے تو اس کے لیے جو زبان استعمال کرتے ہوں گے وہ روزمرہ کی زبان سے یقیناً مختلف ہو گی۔ [2]

مندرجہ بالا اقتباس سے ادب کی ابتدائی شکل کا تصور بھی سامنے آتا ہے کہ جب تک بول چال اور زبان کو تحریر کا لباس نہیں ملا تھا تب تک ادب ایک زبان سے دوسری زبان، ایک سینے سے دوسرے سینے اور ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتا آیا جسے عرف عام میں "لوک ادب" کہا جاتا ہے۔ بعد میں انسان نے تحریر پہ قدرت حاصل کی اور ان خیالات کو تحریری صورت میں محفوظ کیا۔ ادب انسانی تجربات سے ظہور پزیر ہوتا ہے۔ طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک انسان دنیا میں جو کچھ دیکھتا ہے، جو کچھ کرتا ہے، اس کی زندگی میں کئی اتار چڑھاؤ آتے ہیں، وہ

جو تجربے حاصل کرتا ہے، جو سوچتا سمجھتا ہے اس کا اظہار ادب کی شکل میں کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ادب زندگی کے وسیع ترین مسائل کا احاطہ کرتا ہے اور اس کے ذریعہ پروان چڑھتا ہے۔ ادب انسان کو بہتر زندگی گزارنے میں معاونت دیتا ہے۔ اور یہ معاونت اس طرح ہوتی ہے کہ ادب جن اقدار کا حامل ہوتا ہے وہ اعلیٰ اور عمدہ ہونے کی بناء پر انسان کے حوصلوں کو بڑھاتی ہیں اور اس کے اندر زندہ رہنے اور حالات کا مقابلہ کرنے کی ہمت پیدا کرتی ہیں اور تب انسان کو صحیح معنوں میں جینے کا سلیقہ آتا ہے۔

ادبی تحاریر معاشرے ہی سے اخذ ہوتی ہیں اور معاشرے ہی کے لیے لکھی جاتی ہیں، اسی لیے تو ادب کو معاشرے کا آئینہ قرار دیا جاتا ہے۔ جیسے آئینہ انسان کو اس کے چہرے کے محاسن و معائب کے بارے میں آگاہ کرتا ہے ویسے ہی ادب معاشرے کو اچھائی اور برائی کے بارے میں سمجھاتا ہے، اسے خیر و شر کے فوائد و نقصانات بتاتا ہے لہٰذا کسی بھی مثالی معاشرے کے لیے ادب ناگزیر ہے۔ ڈاکٹر خوشحال زیدی لکھتے ہیں:

> ادب کو زندگی کا آئینہ اور سماج کا عکس تسلیم کیا جاتا ہے، جس سماج اور قوم کا کوئی ادب نہیں وہ قوم مردہ تصور کی جاتی ہے۔
> کسی قوم کے مذہبی خیالات، سماجی اور اخلاقی تنظیم، اس کے تاریخی واقعات اور سیاسی حالات کا صحیح آئینہ اس کا ادب ہے۔
> ادب اور سماج میں گہرا تعلق ہے دونوں ہی ایک دوسرے کو متاثر کرتے ہیں۔[3]

ادب اظہار کا ایسا ذریعہ ہے جو عام بول چال سے قطعی مختلف ہوتا اور ہونا بھی چاہیے کیوں کہ ہر لکھی ہوئی بات ادب نہیں ہو سکتی، ہم روزانہ کئی اخبارات اور کالموں کا مطالعہ کرتے ہیں لیکن ان تحاریر سے روحانی مسرت کا حصول ممکن نہیں ہوتا، وہ صرف معلومات کے حصول کے لیے ضروری ہوتی ہیں اور ان میں سے کچھ کی اہمیت وقعت تو چند دنوں میں کم ہو جاتی ہے جبکہ ادب وہ اظہار یہ ہے جو کبھی بھی پرانا نہیں ہوتا اور اس سے روحانی مسرت بھی حاصل ہوتی ہے، چنانچہ ہر لکھی ہوئی چیز تحریر اور متن ضرور ہے مگر ہر تحریر اور متن ادب نہیں ہے، اسی لیے ہم اپنی تحاریر اور متون کو دو اقسام میں تقسیم کر سکتے ہیں:

- ادبی تحاریر۔
- غیر ادبی تحاریر۔

ادبی تحاریر میں نظم و نثر کی دونوں شاخوں کی ذیلی اقسام میں داستان، ناول، ڈرامہ، افسانہ، کہانی، آپ بیتی، سفر نامہ، اور نظم، غزل، حمد، نعت اور منقبت کو شمار کر سکتے ہیں جبکہ غیر ادبی تحاریر میں سائنسی و فنی تحاریر صحافتی تحاریر اور اخباری بیانات شامل کیے جا سکتے ہیں۔

ادب اطفال کا تعارف

ادب کی مندرجہ بالا توضیح کے بعد "ادب اطفال" کے بارے میں بات کرنا آسان ہو جائے گا کیوں کہ سادہ لفظوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ادب تو پورے معاشرے کی تطہیر و تزکیہ کے لیے ہے لیکن ادب اطفال صرف بچوں کے لیے ہے۔ ظاہر ہے ایک بات جب کسی بڑی عمر کے آدمی کو سمجھانا مقصود ہو تو اس کا اسلوب اور طریقہ مختلف ہو گا جبکہ وہی بات کسی بچے کو سمجھانا مقصود ہو تو اس کا طریقہ کار مختلف ہو گا اور ہونا بھی چاہیے کیوں کہ بچے اپنی ذہنی اور نفسیاتی نشو و نما میں بڑوں سے کم سطح پر ہوتے ہیں، لہٰذا ادب اطفال سے مراد بچوں کے لیے لکھا گیا ادب ہے۔ ادب اطفال سے کیا مراد ہے؟ اس کی جامع تعریف کیا ہو گی؟ مختلف محققین نے ان سوالات کا جواب اپنے اپنے طور پر دینے کی کوشش کی ہے، ذیل میں ہم چند تعریفات کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ڈاکٹر اسد اریب لکھتے ہیں:

> بچوں کا ادب وہ ادب ہے جو بچوں کی تفریح طبع اور بچوں کی تربیت اخلاق کے لیے لکھا جائے، اس کی زبان ایسی ہو جو بچوں کی سمجھ میں آئے اور اس کا بیان ایسا ہو جو دلوں میں اتر جائے، یہ کتابیں، قصے، مضامین اور طرح طرح کی معلوماتی باتیں بچوں کا ادب کہلاتی ہیں۔[4]

اسی طرح ڈاکٹر جاوید احمد لکھتے ہیں:

> بچوں کے ادب سے نثر و نظم کا وہ ذخیرہ مراد ہے جنہیں بطور خاص بچوں کے لیے تخلیق کیا گیا ہو، انہیں بچوں کے مزاج، عمر، نفسیات، احساس، جذبات اور ضرورتوں کو سامنے رکھ کر تحریر کیا جاتا ہے یہ تحریریں نصابی ہو سکتی ہیں یا غیر نصابی بھی، رسائل و جرائد بھی اسی زمرے میں آتے ہیں۔[5]

یہ تعریف بھی پہلے والی تعریف کے مطابق ہے لیکن اس میں نصابی کتب کو بچوں کے ادب میں شامل کیا گیا ہے اور یہ بالکل درست ہے کیوں کہ نصابی کتب ہی وہ ذریعہ ہیں جن کی بدولت بچے ادب سے متعارف ہوتے ہیں۔ نصابی کتب ہی وہ اولین ماخذ ہیں جن تک رسائی کے بعد بچہ پڑھنے لکھنے کی طرف مائل ہوتا ہے۔ عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ نصابی کتب کی دلچسپ نظموں اور کہانیوں کی بدولت بچے دیگر کہانیوں اور نظموں کو پڑھتے ہیں۔ اور یہ بھی مشاہدہ ہے کہ نئی جماعت کی کتب ملنے پر بچے سب سے پہلے اردو کی کتاب میں سے دلچسپ کہانیوں کی کھوج میں ہوتے ہیں لہٰذا نصابی کتب کو بچوں کے ادب سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے علاوہ اس میں رسائل و جرائد کا تذکرہ ہے کیوں کہ بچوں کے ادب کا ایک بڑا حصہ انہی رسائل و جرائد کی مرہون منت ہے۔ بچوں کے رسائل ادب اطفال کے مضبوط مآخذ ہیں جن کی بدولت بچوں کے ادب کے تمام عناصر محفوظ ہیں۔ ہمارے ہاں کچھ رسائل تو نصف صدی سے زائد عرصہ سے جاری و ساری ہیں اور ادب اطفال کی ترویج کر رہے ہیں۔

اوپر بیان کردہ تعریفات میں یہ بات آئی ہے کہ بچوں کے لیے لکھی گئی تحریر دل چسپ اور متاثر کن اسلوب میں ہو لیکن یہاں پر ایک چیز اور ہے جس کا سمجھنا لازمی ہے، وہ یہ کہ ہر وہ تحریر جس کا انداز متاثر کن ہو اور جس کی زبان قابلِ فہم ہو اسے بچوں کا ادب میں شمار نہیں کیا جا سکتا بلکہ بچوں کا ادب میں صرف وہ تحاریر شامل ہوں گی جن کے موضوعات بچوں سے مطابقت رکھتے ہوں، وہ موضوعات بچوں کی عمر، نفسیات اور میلانات کو دیکھ کر چنے گئے ہوں، اسی بات کی تائید پروفیسر اکبر رحمانی کی تعریف سے بھی ہوتی ہے:

> وہ ادب جس کے ذریعے بچوں کی دل چسپی اور شوق کی تسکین ہو اور جو مختلف عمر کے بچوں کی نفسیات، ضرورتوں، دل چسپیوں، میلانات اور ان کی فہم و ادراک کی قوت کو پیش نظر رکھ کر تخلیق کیا گیا ہو، صحیح معنوں میں بچوں کا ادب کہلانے کا مستحق ہے۔[6]

اس تعریف میں موضوعات اور بچوں کی عمر کے مدارج پر زور دیا گیا ہے۔ یہاں پر سوال یہ ہے کہ بچوں کے موضوعات کیا ہو سکتے ہیں؟ یا بالفاظ دیگر بچے کیسا ادب پسند کرتے ہیں؟۔ یہ ایک اہم سوال ہے جس کا جواب بچے ہی دے سکتے ہیں تاہم مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ بچے تخیلاتی دنیا کی کہانیاں زیادہ پسند کرتے ہیں۔ ایسی کہانیاں جو انھیں ان دیکھے جہان کی سیر کرائیں، جہاں وہ اپنی دنیا سے الگ تھلگ ماحول دیکھیں۔ اگرچہ پڑھنے والے بچے تو ہر قسم کا ادب پڑھ لیتے ہیں لیکن ایسی ادبی کاوشیں جن میں دلکشی، دلچسپی اور کہانی پن نہ ہو بلکہ صرف نصیحت پہ مبنی مواد بیان کیا گیا ہو تو بچے اس کے پاس بھی نہیں پھٹکتے۔ مختصراً ہم بچوں کے ادب کے موضوعات کے بارے میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ بچے ایسا موضوع چاہتے ہیں جس میں درج ذیل خصوصیات ہوں:

- حیرت انگیز ہو۔
- موضوع اور مرکزی خیال نیا ہو، یا پرانے موضوع کا نیا انداز اور نئے طریقے سے پیشکش ہو۔
- معلوماتی اور اخلاقی ہو۔
- موضوع بچوں کو سوچنے پر مجبور کر دے۔
- بچوں کے لیے تنوع یا رنگا رنگی بہت اہم ہوتی ہے اس لیے ادب میں تنوع ہونا چاہیے۔

نذیر انبالوی کا ناول "فاتح کون؟" اور بچوں کا تمثیلی ادب

نذیر انبالوی صاحب بچوں کے معروف ادیب ہیں۔ وہ طبع زاد کہانیوں کے بے تاج بادشاہ ہیں۔ صرف دو ہزار سولہ میں ان کی تین سو دس طبع زاد کہانیاں شائع ہوئی ہیں۔ انہوں نے بچوں کے ادب میں نت نئے موضوعات پیش کیے اور ان پہ سلسلہ وار کہانیاں لکھی ہیں۔ مثلاً حدیث کہانی، ایک آیت ایک کہانی، قول کہانی، پانی کہانی، اسکول کہانی وغیرہ۔ انہوں نے بچوں کے نو آموز لکھاریوں کے لیے ایک راہ نما کتاب "آیئے لکھنا سیکھیں مع کہانی کیسے لکھیں" بھی تحریر کی ہے۔ اس کے علاوہ وہ ادب اطفال کی تاریخ پہ تحقیقی کام بھی کر رہے ہیں۔ ان کا ادارہ تحقیق ِ ادب اطفال بچوں کے ادیبوں کی منتخب کہانیوں کے کئی مجموعے بھی شائع کر چکا ہے اور سلسلہ جاری و ساری ہے۔ حال ہی میں نذیر انبالوی صاحب نے پانچ ہزار طبع زاد کہانیاں مکمل کر کے ایک بہت بڑا ریکارڈ اپنے نام کر لیا ہے۔ ان کی کہانیوں کے کئی مجموعہ جات بھی چھپ چکے ہیں، جن کی تعداد ستر تک پہنچتی ہے۔ یہ سب طبع زاد کہانیوں کے مجموعے ہیں۔ چند ایک کے نام یہ ہیں:

- آزادی کی کہانیاں
- ماموں مچھلی والے
- جنت میں واپسی
- درخشاں کہانیاں
- ماواں ٹھنڈیاں چھاواں
- ایک جگ چھ گلاس
- میرے ابو، میری جنت
- بچوں کے لیے کہانیوں کا تحفہ
- اسکول کہانی
- ایک آیت ایک کہانی

اس کے علاوہ آپ پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ کی جانب سے تشکیل کردہ نصابی کمیٹی کے ممبر بھی رہے ہیں اور ابتدائی درجات کی نصابی کتب بھی تحریر کر چکے ہیں۔ سن دو ہزار سترہ سے مارچ دو ہزار اکیس تک پنجاب کے سرکاری اسکولز میں درجہ چہارم میں پڑھائی جانے والی اردو کی کتاب بھی آپ کی تحریر کردہ ہے۔ جی سی یونی ورسٹی فیصل آباد کے شعبہ اردو نے اپنے طالب علم جنید نجیب کے ذریعے نذیر انبالوی صاحب کے ادبی کام پہ ایم فل کا مقالہ بھی تسوید کرایا ہے لیکن اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو نذیر انبالوی صاحب کے مختلف ادبی پہلو ایسے ہیں جن پہ الگ الگ تحقیقی کام کرنے کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر نذیر انبالوی صاحب اور اسلامی ادب اطفال۔ اس کے علاوہ نذیر انبالوی صاحب اور تمثیلی ادب بھی ایک اہم پہلو ہے جس پہ الگ کام کیا جا سکتا ہے۔ میں نے اپنے اس مضمون میں نذیر انبالوی صاحب کے تمثیلی ناولوں کو موضوع بنایا ہے۔ دیگر تفصیلات سے قبل تمثیل نگاری کے بارے میں کچھ بنیادی امور پیش کیے جاتے ہیں۔

تمثیل نگاری: ایک مختصر جائزہ

بچہ جب اس دنیا میں شعور کی نگاہ سے دیکھنا شروع کرتا ہے تو اس کے لیے بہت سی چیزیں حیران کن ہوتی ہیں۔ وہ ان چیزوں کو دیکھ کر ان کے بارے میں سوالات کرتا ہے اور ان کے بارے میں جاننے کا شدت سے متمنی ہوتا ہے۔ انسانوں کے ساتھ تو بچہ پہلے ہی دن سے منسلک ہوتا ہے، اس لیے وہ انہیں کافی حد تک سمجھتا اور جانتا ہے لیکن جانور، چرند، پرند، جمادات اور نباتات اس کے لیے نئی چیزیں ہوتی ہیں اور وہ ان

کے بارے میں پوچھ کر اپنی حس تجسّس کو تسکین پہنچاتا ہے۔

کہانی سننا بچے کو بے حد پسند ہوتا ہے۔ کہانیوں سے بچے واقعات سے آگاہ ہوتے ہیں اور اپنے ذہن میں ان واقعات کی تخیلاتی تصویر بنا کر لطف اندوز ہوتے ہیں۔ کہانیوں سے بچوں کی سوجھ بوجھ بڑھتی ہے کیوں کہ اس طرح ان کے تخیل کی پرورش و پرداخت ہوتی ہے اور ان کے ذہن کی نشوونما ہوتی ہے۔ پھر عام انسانی کہانیوں اور دیگر جان داروں کی کہانیوں میں بچے کی دل چسپی کا فرق واضح ہے۔ جیسے بچہ دیگر جان داروں میں زیادہ دل چسپی لیتا ہے ویسے ہی وہ ان کی کہانیوں میں دل چسپی لیتا ہے۔ جب وہ کہانیوں میں جانوروں، پودوں اور پرندوں کو آپس میں بولتے دیکھتا ہے تو یہ اس کے لیے ایک نئی اور نرالی دنیا ہوتی ہے اور وہ اس کہانی کو عام کہانیوں سے زیادہ دل چسپی سے سنتا ہے اور اس کہانی میں چھپے پیغام کو زیادہ اہمیت سے اپنے دل و دماغ میں جگہ دیتا ہے۔ ایسی کہانیوں کو تمثیلی کہانیاں کہا جاتا ہے۔ تمثیل نگاری صرف جانوروں کی کہانیوں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ دنیا کی ہر چیز کو تمثیل میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

تمثیل عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کا معنی ہے "مثال دینا"۔ گویا تمثیل نگاری میں کسی بات کو سمجھانے کے لیے مثال کا سہارا لیا جاتا ہے۔ تمثیلی کہانی کی مختصر تعریف یوں کی جا سکتی ہے کہ ایک ایسی بیانیہ کہانی جس کی دو سطحیں ہوتی ہیں۔ ایک بالائی اور دوسری زیریں۔ بالائی سطح کہانی کو پیش کرتی ہے جب کہ زیریں سطح کہانی کے اخلاقی سبق کو پیش کرتی ہے۔ گویا ہم اسے کہانی کے مجازی اور حقیقی حصّے کہہ سکتے ہیں۔ کہانی کی بالائی سطح مجازی پہلو لیے ہوئے ہوتی ہے اور زیریں سطح میں حقیقی پہلو پنہاں ہوتا ہے۔ ڈاکٹر گیان چند جین اسی بارے میں لکھتے ہیں:

> تمثیل کے کردار دراصل کسی دوسرے کردار کے نمائندہ ہوتے ہیں۔ ان سے وہ مراد نہیں ہے جو ظاہراً نظر آتا ہے بلکہ ان کے نیچے موج تہ نشین کی طرح کچھ اور معنیٰ چھپے رہتے ہیں۔ اس طرح تمثیل استعاروں کی زنجیر ہوتی ہے۔[7]

اس اقتباس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمثیل واقعہ اور نصیحت لکھنے کا ایک خاص انداز ہے جس میں واقعہ یا نصیحت کو کچھ مثالی کرداروں کے ذریعے پیش کیا جاتا ہے تاکہ وہ واقعہ یا نصیحت سہولت سے سمجھ میں آجائے۔ تمثیلی کہانیاں ایک طرح سے استعارہ کی مانند ہوتی ہیں اور ان میں بھی استعارے کی طرح دو تہیں ہوتی ہیں۔ ایک ظاہری تہہ جس میں کہانی ہوتی ہے اور ایک باطنی تہہ جس میں سبق ہوتا ہے۔ مثلاً آپ شہد کی مکھی اور فاختہ کی کہانی کو دیکھیں۔ ظاہری طور پر دیکھا جائے تو فاختہ بہتی ہوئی شہد کی مکھی کی جان بچاتی ہے اور بعد میں وہی مکھی شکاری کو کاٹ کر اس کا نشانہ خطا کروا کر فاختہ کو بچاتی ہے۔ اس کہانی کی دوسری تہہ میں ایک اخلاقی سبق ہے کہ نیکی کا بدلہ نیکی کے ساتھ دینا چاہیے۔

تمثیلی کہانیاں ایک طرح سے استعارہ کی مانند ہوتی ہیں اور ان میں بھی استعارے کی طرح دو تہیں ہوتی ہیں۔ ایک ظاہری تہہ جس میں کہانی ہوتی ہے اور ایک باطنی تہہ جس میں سبق ہوتا ہے۔ تمثیلی کہانیاں انگریزی میں "فیبل" کہلاتی ہیں جن میں حیوان، بے جان اور مجرد اشیاء اخلاقی باتوں کی تلقین کے لیے انسانی جذبات سے متصف کر دی جاتی ہیں اور بولتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ ہندوستان میں اس نوع کی کہانیوں میں "پنچ تنتر" کی تمثیلی کہانیاں بہت شہرت رکھتی ہیں۔ اس کتاب کی کہانیوں کے دنیا کی ہر زبان میں تراجم ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ فرید الدین عطار کی "منطق الطیر" اور نظیر اکبر آبادی کی "ہنس نامہ" بھی فیبل کے زمرے میں آتی ہیں۔ "فیبل" سے ملتی جلتی ایک قسم "پیرابل" ہے جس میں انسانی کردار ہوتے ہیں۔ یہ ہوتی تو تمثیل ہی ہے لیکن اس میں تمثیل کا پردہ بہت ہی ہلکا سا ہوتا ہے جیسے میر حسن کی کتاب "رموز العارفین"۔

تمثیلی کہانیوں کو ہم تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

اول: متحرک، ذی روح، جان داروں کی تماثیل:

- انسانوں کی کہانیاں یا پھر انسانی اعضاء کو مجسم کردار بنا کر تمثیل نگاری جیسے آنکھ، ناک، دل۔
- جانوروں کی کہانیاں۔

- پرندوں کی کہانیوں۔
- حشرات الارض کی کہانیاں۔

دوم: غیر متحرک، ذی روح جان داروں کی تماثیل:

- درختوں، پودوں کی کہانیاں۔
- پھلوں پھولوں کی کہانیاں۔

سوم: غیر متحرک، غیر ذی روح، چیزوں کی تماثیل:

- جمادات کی تمثیلی کہانیاں جیسے اینٹ پتھر اور پانی وغیرہ۔
- غیر مرئی اور مجرد تصورات کی تجسیم، جیسے اوصاف رذیلہ اور اوصاف حمیدہ کی مجسم کہانیاں مثلاً سچ جھوٹ کو مجسم صورت میں لانا، کاہلی اور محنت کی مجسم تمثیل وغیرہ۔

نذیر انبالوی اور بچوں کا تمثیلی ادب

بچوں کے ادب میں نذیر انبالوی نے تمثیلی پہلوئوں پہ سینکڑوں کہانیاں لکھی ہیں جن میں کہیں حیوانات کی تماثیل ہیں تو کہیں جمادات کی۔ جمادات کے علاوہ انہوں نے مجرد چیزوں کو بھی تمثیل کے ذریعہ مجسم بنا کر پیش کیا ہے۔ میری خواہش ہے کہ کاش ان کی تمام تمثیلی کہانیوں کو الگ کتابی صورت میں یکجا کر دیا جائے۔ تمثیلی کہانیوں میں سے ''ہوا زندہ رہے گی'' اور ''آزادی جندہ باد'' ان کی نمائندہ تمثیلی کہانیاں ہیں۔ بعد میں نیشنل بک فاؤنڈیشن نے ان دو کہانیوں کو ٹائٹل کہانیاں بنا کر کہانیوں کے دو مجموعے بھی شائع کیے جن میں سے ''ہوا زندہ رہے گی'' کو سن انیس سو ستانوے کی بہترین کتاب قرار دیا گیا۔ کہانیوں کے علاوہ نذیر انبالوی صاحب نے تمثیلی ناول بھی لکھے ہیں۔ ''فاتح کون؟'' ان کا معروف تمثیلی ناول ہے۔ اس کے علاوہ نذیر انبالوی صاحب کی دیگر تمثیلی کاوشوں کو دیکھا جائے تو ایک ناول ''عدالت'' بھی ملتا ہے۔ یہ ناول ذوق وشوق میں سلسلہ وار لگا تھا اور اب شنید یہ ہے کہ اسے بچوں کا کتاب گھر، لاہور سے کتابی صورت میں بھی چھاپا جا رہا ہے۔ اس کے علاہ ماہ نامہ اقرا میں ان کی ''لفظ نگر'' سیریز بھی تمثیلی انداز کی کاوش ہے جس میں ''ملکہ اردو زبان'' ایک تمثیلی کردار ہے۔ اس کے علاوہ تعلیم وتربیت کی ادارت کے دوران نذیر انبالوی صاحب نے اپنے قلمی نام ظفر حسنین سے ایک تمثیلی ناول ''انوکھی دنیا'' شروع کیا تھا۔ اس کی گیارہ اقساط شائع ہوئی تھیں۔ اس ناول میں کتاب کو مجسم کردار بنا کر پیش کیا گیا تھا لیکن افسوس یہ ناول مکمل نہ ہو سکا تھا۔

اس مضمون میں ناول ''فاتح کون؟'' کا جائزہ لینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس ناول میں اچھی اور بری صفات مجسم حالت میں ایک دوسرے کے ساتھ برسرپیکار نظر آتی ہیں۔ یہ ناول مکتبہ ذوق وشوق نے شائع کیا۔ کتابی صورت میں اشاعت سے پہلے یہ ماہ نامہ ذوق وشوق میں سلسلہ وار ناول کے طور پہ بھی مقبول ہوا۔ یہ ناول تقریباً چھیانوے صفحات پہ مشتمل ہے۔ کتاب میں ناول سے پہلے دس بارہ صفحات آراء و پیش لفظ پر مشتمل ہیں۔ اس ناول میں حق و باطل کی کشمکش کو پیش کیا گیا ہے۔ ناول کے پیش لفظ میں حق و باطل کے ان دوراستوں کے بارے میں جناب نذیر انبالوی لکھتے ہیں:

> آپ کسی ایسی جگہ کھڑے ہوں جہاں سے دو راستے نکلتے ہوں۔ ایک راستے پر خوش بو، خوب صورتی، سکون، امن اور راحت ہو جب کہ اس کے مقابل دوسرے راستے پر بدبو، بدصورتی، بے چینی، بدامنی اور تکلیف ہو۔ آپ کو اختیار دیا جائے کہ دونوں میں سے کسی ایک راستے کا انتخاب کر لیں تو آپ کس راستے کا انتخاب کریں گے۔؟ ''فاتح کون؟'' انھی دو راستوں کی کہانی ہے جن میں سے ایک نیکی نگر اور دوسرا بدی پورہ کی طرف جاتا ہے۔[8]

یہ ناول ایک عمدہ تمثیلی ناول ہے۔ناول میں نیکی نگر کی طرف سے درج ذیل کردار مجسم دکھائے گئے ہیں: سچ، محبت، عاجزی، رشک، حلال اورایمان داری۔جب کہ بدی پورہ سے درج بالا کرداروں کے مقابل یہ کردار میدان میں اترتے نظر آتے ہیں: جھوٹ، نفرت، تکبر و گھمنڈ، حسد، حرام اور بے ایمانی۔یوں اس ناول میں حق کی چھے صفات حمیدہ کے مقابلے میں باطل کی چھے صفات رزیلہ سامنے آتی ہیں اور ان کے مابین خوب مقابلہ ہوتا ہے۔

اب ناول کا پلاٹ ملاحظہ کیجیے۔کہانی کا آغاز نیکی نگر میں ہونے والی ایک اہم میٹنگ سے ہوتا ہے۔ملکہ نیکی اس میٹنگ کی صدارت کرتی ہیں۔وہ بتلاتی ہیں کہ دشمن کی فوج نے دوبارہ انسانوں پہ حملہ کر دیا ہے لہذا ہمیں اپنے فرائض کی بجاآوری کے لیے کمربستہ ہو جانا چاہیے۔اس میٹنگ میں محبت، سچ اور امانت بھی موجود ہیں۔ملکہ کہتی ہیں کہ اس بار دشمنوں نے جھوٹ کو میدان میں اتارا ہے لہذا ہماری طرف سے سچ مقابلہ کرنے جائے گا۔سچ بخوشی تیار ہو جاتا ہے اور نیکی نگر سے دعائیں لیتا ہوا رخصت ہوتا ہے۔اس کے بعد منظر بدلتا ہے اور ایک اسکول کا منظر سامنے آتا ہے۔سچ اسکول میں پہنچتا ہے تو اسے وہاں جھوٹ نظر آتا ہے۔جھوٹ وہاں پہ اپنا کام شروع کر چکا ہوتا ہے۔وہ ایک بچے یاسر کو جھوٹ بولنے پہ مائل کرتا ہے اور یاسر کینٹین والے انکل سے جھوٹ بولتے ہوئے کہتا ہے کہ انکل مجھے برگر دیں۔انکل پیسوں کا مطالبہ کرتے ہیں تو یاسر الزامی انداز میں جواب دیتا ہے کہ انکل ابھی تو دیئے ہیں۔چونکہ وہاں رش ہوتا ہے تو انکل کو بھی اچھی طرح سے یاد نہیں ہوتا لہذا وہ یاسر کو برگر دے دیتے ہیں۔جھوٹ کی مدد سے حاصل کردہ برگر کھاتے ہوئے یاسر بہت خوش ہو رہا ہوتا ہے اور جھوٹ بھی اس کی حوصلہ افزائی کرنے آپہنچتا ہے۔سچ وہاں آکر یاسر کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہے لیکن یاسر اسے دھتکار دیتا ہے۔یہ دیکھ کر جھوٹ کی باچھیں کھل جاتی ہیں۔یاسر جھوٹ کا ساتھ دینے کا فیصلہ کرتا ہے اور جھوٹ کے کہنے پہ گھر سے پیسے بھی چرا لیتا ہے۔وہ ہوم ورک نہ کرنے بارے میں بھی جھوٹ بول کر جان بخشی کراتا ہے۔اس دوران سچ بھی یاسر کو سمجھتا رہتا ہے لیکن یاسر اس کی ایک نہیں سنتا۔چند روز بعد یاسر کے سو روپے چرانے کا معاملہ کھل جاتا ہے۔اس کے والدین بہت پریشان ہوتے ہیں کہ اسے کیسے سمجھائیں، ایسے میں سچ یاسر کی امی کے پاس آتا ہے اور انھیں بتاتا ہے کہ وہ جھوٹ سے سخت مقابلہ کر رہا ہے اور جلد ہی جھوٹ کو شکست ہو جائے گی اور یاسر جھوٹ کے چنگل سے آزاد ہو جائے گا۔امی جان سچ کا شکریہ ادا کرتی ہیں۔سچ دوبارہ یاسر کے پاس جاتا ہے اور اسے سچ کا راستہ اپنانے کی دعوت دیتا ہے۔یاسر بھی جھوٹ بول بول کر تھک چکا ہوتا ہے۔وہ سچ کا ہاتھ تھام کر اپنے والدین، استاد اور کینٹین والے انکل سے معافی مانگ لیتا ہے۔اس کے سچ بولنے پہ سبھی اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور یوں جھوٹ شکست کھا کر بدی پورہ کی طرف بھاگ جاتا ہے۔سچ اور جھوٹ کی اس کشمکش میں سچ اور جھوٹ کی گفتگو نہایت دل چسپ ہے۔ایک پیراگراف دیکھیے:

> ادھر تو یہ سب بہت خوش تھے، مگر ادھر جھوٹ بہت پریشان تھا۔"میں نے تم سے کہا تھا کہ میں تمھیں شکست دوں گا۔" سچ نے کہا۔سچ کی بات سن کر جھوٹ بولا: ابھی تو مقابلہ شروع ہوا ہے اور تم ابھی سے فتح اور شکست کی باتیں کرنے لگے ہو۔میں ہر جگہ تمھارا ڈٹ کر مقابلہ کروں گا۔سچ بولا۔چلے جاؤ یہاں سے۔۔۔۔!بڑے آئے میرا مقابلہ کرنے والے، دنیا پر صرف اور صرف میری حکمرانی ہوگی۔سب لوگ میرے ساتھ دوستی کریں گے۔جھوٹ چلایا۔خوش فہمی میں مبتلا ہونے پر کچھ خرچ نہیں آتا۔تمھاری یہ خوش فہمی یاسر جیسے اچھے بچے نے دور کر دی ہے، مگر اس کے باوجود تم ابھی تک اسی خوش فہمی کے فریب میں گم ہو۔سچ نے جھوٹ کو گھورتے ہوئے کہا۔[9]

جھوٹ کی شکست کے بعد بدی پورہ سے نفرت کو میدان میں اتارا گیا۔جھوٹ اور نفرت جب بدی پورہ سے روانہ ہوئے تو ملکہ نیکی نے سچ کے ساتھ محبت کو مقابلے کے لیے بھیج دیا۔جھوٹ اور نفرت مٹر گشت کر رہے تھے کہ انھیں ایک گھر میں سچ اور محبت اپنی خوش بو پھیلاتے نظر آئے۔یہ گھر تین بھائیوں کا تھا۔حسن، اجمل اور شہزاد۔شہزاد کی شادی نہیں ہوئی تھی جب کہ دیگر دو بھائی بال بچوں والے تھے۔حسن کے بیٹے

دانیال اور عمر اور اجمل کے بیٹا بیٹی سعد اور مائرہ چچا شہزاد کے دیوانے تھے۔ آج بھی جب ان کی گاڑی رکی تو بچوں نے انھیں گھیر لیا کہ ہمیں سیر پہ لے جائیں۔ چچا شہزاد انھیں لیے چمن آئس کریم پہنچے۔ ان سب نے مزے مزے سے آئس کریم کھائی اور پیار و محبت سے باتیں کیں۔ یہ مناظر دیکھ کر جھوٹ اور نفرت جل بھن کر رہ گئے۔ اب وہ موقع کی تلاش میں تھے کہ کسی طرح ان بچوں کو لڑایا جائے۔ آخر ایک دن انھیں موقع مل ہی گیا۔ ہوا یوں کہ بچے ایک کمرے میں بیٹھے کھیل رہے تھے کہ لائٹ چلی گئی۔ اب انھوں نے موم بتی روشن کی اور کھیل جاری رکھا۔ ایسے میں دانیال کا ہاتھ موم بتی کو لگا جس سے موم بتی قالین پہ گر گئی اور قالین کو آگ لگ گئی۔ جب شور و غل مچا تو گھر کے بڑے جمع ہوئے۔ انھوں نے آگ تو بجھا دی لیکن نفرت نے اپنی آگ جلانا شروع کر دی اور جھوٹ اسے تیز کرنے کے لیے ہوائیں دینے لگا۔ دانیال نے موم بتی گرانے کا الزام سعد پہ لگا دیا۔ تو تکار بڑھی تو گھر کی خواتین آپس میں الجھ پڑیں۔ دانیال کی امی روبینہ خاتون نے شوہر سے الگ گھر کا مطالبہ کر دیا۔ ایسے ہی اجمل کی بیوی نے بھی کہا کہ ہمیں اب الگ ہو جانا چاہیے۔ یوں جھوٹ اور نفرت نے ایک ہنستے بستے گھر کو ویران کر دیا۔

سچ اور محبت بہت پریشان تھے اور وہ برابر کوششیں کر رہے تھے کہ کسی طرح اس گھر کی رونقیں واپس لوٹ آئیں۔ ایک روز چچا شہزاد نے بچوں کو سیر پہ لے جانے کی پیشکش کی اور ساتھ ہی دلی کدورتیں دور کرنے کی طرف مائل کیا، تب دانیال نے سب کچھ سچ سچ بتا دیا کہ موم بتی اس کی وجہ سے گری تھی۔ اس کے سچ بولنے پہ غلط فہمیاں دور ہو گئیں اور وہ سب پیار و محبت سے رہنے لگے۔

سچ اور محبت کی جیت نے بدی پورہ میں کہرام برپا کر دیا۔ ملکہ بدی بری طرح چلا رہی تھی۔ جھوٹ اور نفرت سر جھکائے کھڑے تھے۔ ملکہ بدی نے انھیں سخت سست کہا اور اپنے نئے سورما کو مقابلے پہ روانہ کر دیا۔ یہ حرام تھا۔ ادھر ملکہ نیکی نے حرام کے مقابل حلال کو بھیجا تاکہ انسانوں کو بچایا جا سکے۔ حرام سیدھا ایک دفتر میں گیا۔ وہاں شوکت نامی ایک آدمی رشوت لے کر کام کر رہا تھا۔ حرام نے اسے تھپکیاں دینا شروع کر دیں اور یوں شوکت نے دس مرلے پلاٹ کی رشوت لے کر وہ کام کر دیا۔ اس موقع پر حلال اور حرام شوکت صاحب کے سامنے آ گئے اور یوں بات چیت شروع کر دی: ''آپ یہ ٹھیک نہیں کر رہے۔ دس مرلے کے پلاٹ پر بِک گئے؟'' حلال کی بات پر شوکت چونکا۔ ''دس مرلے کا پلاٹ اس کا حق ہے۔'' حرام نے شوکت کے بولنے سے پہلے کہا۔ ''کیسا حق؟ یہ سب کچھ حرام ہے۔'' ''اپنی زبان بند رکھو اور اپنا راستہ لو۔ میں تمھیں شوکت پہ غلبہ نہیں پانے دوں گا۔ آج کون ہے جو تمھیں منہ لگاتا ہو۔'' حرام نے ایک ایک لفظ چبا کر کہا۔ ''کم زور ایمان والے ہی تمھارے جال میں پھنستے ہیں۔ شوکت کا تعلق ایک اچھے گھرانے سے ہے، میں اسے تمھارے جال میں پھنسنے نہیں دوں گا۔'' حلال بولا۔[10]

شوکت پہ لالچ غالب تھا، اس نے حلال کو برا بھلا کہہ کر دھتکار دیا۔ اب وہ حرام کے ذرائع کو بروئے کار لانے لگا۔ حرام اس سے وعدے کر رہا تھا کہ تم جلد ہی دولت مند بن جاؤ گے۔ شوکت نے جب گھر والوں کو پلاٹ دکھایا تو اس کی بیوی زبیدہ سخت ناراض ہوئی اور اس نے شوکت کو سمجھایا، ساتھ ہی اس نے خبردار کیا کہ اگر تمھارے خلاف تحقیقات ہوئیں تو اس حلال کی نوکری سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ شوکت شش و پنج میں پڑ گیا۔ اس رات اس نے خواب دیکھا کہ اسے تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے جواب طلبی کے لیے پیش کیا گیا ہے جہاں اس کی رشوت خوری کا راز کھل گیا ہے اور اسے سزا کے لیے گرفتار کیا جا رہا ہے۔ یہ خواب شوکت کے ضمیر نے دکھایا تھا۔ اس خواب کے بعد شوکت نے حلال کو بلایا اور اس کے ساتھ دوستی قائم کر کے حرام کو ٹھوکر مار کر بھگا دیا۔ یوں ملکہ نیکی کا بھیجا گیا تیسرا رکن بھی فاتح ٹھہرا۔

حرام کی شکست کے بعد ملکہ بدی نے گھمنڈ کو مقابلے پہ اتارا۔ گھمنڈ نے لوگوں کو غرور و تکبر میں مبتلا کرنا تھا تاکہ ان کا سر نیچا رہے۔ گھمنڈ گھومتا گھماتا ایک اسکول میں پہنچا جہاں تقریری مقابلہ ہو رہا تھا۔ ارسلان نامی ایک طالب علم تقریر کر رہا تھا۔ اس کی تقریر بہت اچھی تھی۔ گھمنڈ فوراً اس کے اندر گھس گیا اور اسے گھمنڈ میں مبتلا کر دیا۔ اب ارسلان باقی سب مقررین کو حقارت آمیز نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کا یہ طرز عمل دیکھ کر عاجزی نے اسے سمجھانے کی کوشش کی مگر گھمنڈ نے اس کی ایک نہ چلنے دی۔ کچھ دنوں بعد اسلام آباد میں ایک

تقریری مقابلہ ہوا۔ ارسلان نے بھی اس میں شرکت کی۔ اس بار گھمنڈ نے اسے مقابلے کی تیاری ہی نہیں کرنے دی تھی، لہذا وہ مقابلے میں بری طرح ہار گیا۔ اب عاجزی نے اسے سمجھایا کہ بیٹا ہمیشہ جھکی ہوئی شاخ پھل دار ہوتی ہے۔ ارسلان کی آنکھیں کھل چکی تھیں۔ اس نے گھمنڈ کو دل و دماغ سے نکال دیا اور عاجزی سے تعلق قائم کر لیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اگلے سال کے تقریری مقابلے میں ارسلان نے اول پوزیشن لے کر میدان مار لیا۔ اس نے اس سب پہ اللہ کا شکر ادا کیا۔ ارسلان کی کامیابی کے بعد والا منظر کچھ یوں بیان کیا گیا ہے:

> ارسلان جب ٹرافی لینے کے لیے مہمان خصوصی کی طرف بڑھا تو اس نے گھمنڈ کو دیکھا جو اپنی ناکامی کی وجہ سے اپنا سر پیٹ رہا تھا۔ عاجزی کے چہرے پر خوشی تھی۔ ارسلان جب ٹرافی لے کر اپنی جگہ پر آیا تو مقبول صاحب نے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے اسے مبارک باد دی۔ عاجزی نے جب ارسلان کو مبارک باد دی تو وہ بولا: "یہ کامیابی تمھاری وجہ سے ملی ہے۔" "یہ کامیابی میری وجہ سے نہیں، اللہ تعالی کے فضل سے ملی ہے۔ اگر زندگی کے میدان میں کامیابی چاہتے ہو تو کبھی بھی گھمنڈ کو اپنے پاس نہ آنے دینا۔[11]

گھمنڈ کی شکست پہ ملکہ بدی تلملا کر رہ گئی۔ اب اس نے بے ایمانی کو مقابلے پہ بھیجا۔ ملکہ نیکی بھی سمجھتی تھیں کہ یہ کشاکش تو ہمیشہ جاری رہنی ہے لہذا انھوں نے ایمان داری کو مقابلے پہ روانہ کر دیا۔ بے ایمانی نے اپنا شکار تلاش کرنا شروع کیا اور پھر اسے ایک آدمی مل گیا۔ وہ پارک میں برقی جھولوں کے ٹکٹ بیچ رہا تھا۔ بے ایمانی نے اسے سکھایا کہ وہ لوگوں کو بقایا پیسے کم دیتا جائے اور وہ پیسے اپنی جیب میں رکھتا جائے یوں جب پارک بند ہوا تو اس ریاض نامی آدمی نے بے ایمانی سے تین سو روپے کما لیے تھے۔ اس نے ان تین سو روپوں کا اپنے بیٹے جاوید کے لیے گاجر کا حلوا لیا اور گھر پہنچا۔ گھر پہنچ کر انھوں نے وہ حلوا گرم کیا تو اس دوران اس میں اسے مردہ چھپکلی نکل آئی۔ اس موقع پہ ایمان داری آن پہنچی اور اس نے ریاض کو سمجھایا کہ دیکھو بے ایمانی کی کمائی سے خریدا گیا حلوا بھی درست نہیں نکلا، اگر یہ حلوا تمھارا بچہ کھا لیتا تو وہ بیمار ہو جاتا اور تمھیں اس کا علاج معالجہ کرنا پڑتا۔ ایمان داری کی باتیں سن کر ریاض کا ضمیر اسے ملامت کرنے لگا۔ اس نے بے ایمانی والی رقم صدقہ کر دی اور ایمان داری سے کام شروع کر دیا۔ ایمان داری سے کام کرنے پہ اس کا مالک اس سے بہت خوش ہوا اور اس کی اجرت بڑھا دی۔ یہ دیکھ کر ریاض کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بے ایمانی نے جب اپنی شکست دیکھی تو روتی ہوئی بدی پورہ کی طرف بھاگ گئی۔

اب بدی پورہ سے حسد میدان میں اترا۔ اس نے اسکول میں ایک بچے اشرف کو اپنا نشانہ بنایا۔ اشرف نے عمران کو زیادہ نمبر لیتے ہوئے دیکھا تو اس کا دل حسد سے بھر گیا۔ اس نے جلنا شروع کر دیا۔ ایسے میں رشک نے آ کر اشرف کو سمجھایا کہ تمھیں حسد نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن اشرف نے رشک کو مسترد کر دیا اور کہا:

> میں کیوں کروں عمران پہ رشک؟ وہ میرا کیا لگتا ہے؟ اس نے مجھ سے میری اول پوزیشن چھین لی، پوری کلاس میں مجھے ذلیل کر دیا، میری حیثیت گرا دی، اور میں اس پہ رشک کروں! میں ایسا نہیں کر سکتا۔" اشرف چلایا۔ اشرف کی باتوں سے حسد کے بھیانک چہرے پر خوشی کے رنگ کھلتے جا رہے تھے۔[12]

یوں حسد کامیاب ہو گیا۔ حسد اس خوشی پہ پھولا نہیں سمایا اور بھاگا بھاگا بدی پورہ جا پہنچا۔ ملکہ بدی نے جب اس کی کارگزاری سنی تو اسے پھولوں کا ہار پہنایا اور بدی پورہ میں "حسد زندہ باد" کے نعرے گونجنے لگے۔ ادھر رات کو اشرف کے کمرے میں آگ بھڑک اٹھی۔ اس نے گھبرا کر دیکھا تو اس کی ساری نیکیاں اس آگ میں جلتی جا رہی تھیں۔ یہ دیکھ کر اشرف چلایا۔ "بچاؤ ' بچاؤ '" کی آوازوں پہ اس کی امی کمرے میں آئیں اور اس سے سارا ماجرا پوچھا۔ جب اشرف نے انھیں سب کچھ بتا دیا تو امی نے اسے سمجھایا کہ حسد کرنے سے ساری نیکیاں جل جاتی ہیں کیوں کہ حسد ایک آگ ہے۔ ہمیں حسد کی بجائے رشک کرنا چاہیے۔ رشک یہ ہوتا ہے کہ کسی سے جلا پا نہ کیا جائے بلکہ یہ دعا کی جائے کہ اللہ تعالی آپ کو

بھی اس قابل بنادیں۔امی کے سمجھانے پر اشرف نے عمران سے دوستی کرلی۔اب عمران کی ہر کام یابی پہ اسے بھی خوشی ہوتی تھی۔اس طرح عارضی فتح یابی کے بعد حسد کو بھی منہ کی کھانی پڑی۔حسد کی شکست کے بعد ملکہ بدی اپنے دربار میں بیٹھی تھی کہ ملکہ نیکی کی طرف سے سچ ایلچی بن کر حاضر ہوااور اس نے ملکہ نیکی کا خط ملکہ بدی کو پہنچایا۔ملکہ بدی نے نفرت سے خط کھولا تو اس میں یہ لکھا ہوا تھا:

ملکہ بدی! سلام کے بعد عرض ہے کہ میں نہایت خلوص و محبت کے ساتھ آپ کے دربار میں اپنا ایلچی سچ بھیج رہی ہوں۔اپنی شیطانی حرکات کو چھوڑ کر بھلائی کی راہ اختیار کرلیں۔میں آپ کی طرف محبت کا ہاتھ بڑھاتی ہون۔امید ہے آپ کی طرف سے مثبت جواب ملے گا۔[13]

ملکہ بدی نے اس پیغام کا جواب نفرت سے دیااور نیکی نگر پہ ہلہ بول دیا۔بدی پورہ کے لشکری چار اطراف سے حملہ آور تھے۔نیکی نگر کے جانباز مجاہدین ان کا ڈٹ کر مقابلہ کررہے تھے۔آخر کار نیکی نگر کے باسیوں کو فتح ملی جس سے چاروں طرف خوشبو پھیلتی چلی گئی۔

تحقیقی جائزہ

یہ ناول بچوں کے لیے دل چسپ اور مثبت پیغامات کا مجموعہ ہے۔ناول کو فنی و فکری ترازو میں تولنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس ناول میں ناول کے تمام اجزاء کو نہایت مہارت سے جوڑا گیا ہے۔ناول کا پلاٹ تو مثالی ہے۔اس پلاٹ پہ اگرچہ مصنف نے مختصر لکھا ہے لیکن یہ پلاٹ اتنا مضبوط ہے کہ اسے بڑھایا بھی جاسکتا تھا۔اس کے علاوہ ناول میں تمثیلی کرداروں کے مکالمے اسے نہایت دل چسپ بنادیتے ہیں۔مصنف نے ناول کے تمام مرقعوں میں ایک منفرد کہانی پیش کی ہے جس سے بوریت کا احساس پاس بھی نہیں پھٹکتا۔یہ تمام کہانیاں نیکی نگر اور بدی پورہ سے وابستہ ہیں اس لیے ناول کے ربط و تسلسل میں کوئی فرق نہیں آتا۔

ناول میں جو منظر کشی کی گئی ہے اور مختلف مواقع پہ جو صورت حال پیدا کی گئی ہے،بچے اسے جانے بغیر نہیں رہ سکتے،مثلاً جھوٹ اور سچ کی کشمکش میں یاسر کا اردو کی کتاب کا گھر بھول آنا اور پھر امی کو اس کتاب میں سے چرائے گئے سو روپوں کا ملنا ایسے مناظر ہیں کہ بچے فطرتی تجسس میں مبتلا ہو کر ناول کی رو میں بہتے چلے جاتے ہیں۔نذیر انبالوی صاحب کا یہ ناول اول تا آخر مقصدیت سے بھرپور ہے لیکن انھوں نے کہیں بھی ایسی لمبی چوڑی تقاریر پیش نہیں کیں جن سے ناول بوجھل ہو جائے اور بچوں کے لیے بوریت کا سبب بنے۔انھوں نے مقصدیت اور نصیحت کے تناسب کو ”آٹے میں نمک کے برابر“ رکھا ہے تاکہ ذائقہ بگڑنے نہ پائے۔

خلاصہ کلام یہ کہ نذیر انبالوی صاحب کا یہ ناول پلاٹ، کردار نگاری، منظر نگاری، مکالمہ نگاری اور نقطۂ نظر تمام پہلوؤں سے ایک شان دار ناول ہے۔اس میں بچوں کی دل بستگی کے ساتھ ساتھ اصلاحی پہلوئوں کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔ہلکا پھلکا اسلوب اور دل چسپ پیرایہ اسے ایک لافانی ناول کا درجہ دیتا ہے۔

حواشی و حوالہ جات

1 اطہر پرویز، ڈاکٹر، **ادب کسے کہتے ہیں**، (نئی دہلی: ترقی اردو بورڈ، 1976ء)، ص8۔

2 ایضاً، ص10۔

3 خوش حال زیدی، ڈاکٹر، **اردو میں بچوں کا ادب**، (نئی دہلی: کلمہ پرنٹنگ پریس، 1989ء)، ص36۔

4 اسد اریب، ڈاکٹر، **پاکستان میں بچوں کا ادب: ایک جائزہ**، (اسلام آباد: ایجوکیشنل اکادمی، 1990ء)، ص95۔

5 سید اسرار الحق سبیلی، ڈاکٹر، **بچوں کے ادب کی تاریخ**، (نئی دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، 2016ء)، ص42۔

6 اکبر رحمانی، پروفیسر، **اردو میں بچوں کا ادب: ایک تنقیدی جائزہ**، مضمون مشمولہ: اردو میں ادب اطفال: ایک جائزہ، (جلگاؤں: ایجوکیشنل اکادمی، 1990ء)، ص68۔

7 گیان چند جین، ڈاکٹر، **تحریریں**، (لکھنؤ: سرفراز قومی پریس، 1964ء)، ص270۔

8 نذیر انبالوی، **فاتح کون؟**، (کراچی: مکتبہ ذوق و شوق، 1997ء)، ص15۔

9 ایضاً، ص32۔

10 ایضاً، ص54۔

11 ایضاً، ص71۔

12 ایضاً، ص88۔

13 ایضاً، ص93۔